اہلِ حدیث کو بھی شمار کیا جائے تو مجموعی تعداد ۹۰ فی صدی سے بھی زیادہ نکلے گی۔ اس صورت میں لامحالہ دستور تو شریعت کی اُس تعبیر کے مطابق ہی بنے گا جس پر حنفی اور اہلِ حدیث متفق ہیں۔ اور لازماً ملکی قانون حنفی تعبیرِ شریعت پر مبنی ہوگا۔ رہے قلیل التعداد گروہ، تو ان کے چار حق پوری فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیے جائیں گے۔

اوّل یہ کہ ان کے شخصی معاملات پر اُن کے اپنے مذہب کی فقہ ہی نافذ ہوگی۔

دوم یہ کہ قانونِ ملکی کے حدود میں رہتے ہوئے وہ اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے اور اپنے مذہبی شعائر کا اظہار کرنے میں آزاد ہوں گے۔

سوم یہ کہ ان کے بچوں کو ان کے مذہب کی تعلیم دینے کا اطمینان بخش انتظام ہوگا۔

چہارم یہ کہ حدودِ قانون میں رہتے ہوئے وہ اپنے خیالات و نظریات کی اشاعت آزادی کے ساتھ کر سکیں گے۔

انہی امور پر جنوری ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کی اُس مجلس نے اتفاق کیا تھا جو کراچی میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں حنفی، اہلِ حدیث اور شیعہ فرقوں کے معتمد علیہ علماء شریک تھے۔ لہٰذا جو لوگ مذہبی اختلافات کی پیچیدگی کو اپنی شطرنج کا ایک مہرہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کو یہ سُن کر خواہ کتنا ہی صدمہ ہو، ہم ایک امرِ واقعہ کے طور پر انہیں یہ خبر سناتے ہیں کہ الحمدللہ، یہ پیچیدگی پہلے ہی رفع ہو چکی ہے۔ وہ اس پر ماتم کرنا چاہیں تو ضرور کریں، مگر ان شاء اللہ، وہ اس مہرے کو استعمال کر کے بازی نہ جیت سکیں گے۔

پاکستان و ہندوستان کی تشکیل سے پہلے جب انگریز یہاں حکومت کرتے تھے، اس وقت باشندگانِ ملک حکمران گروہ کے لیے اجنبی تھے اور حکمران گروہ باشندگانِ ملک سے بیگانہ تھا۔ ان کے لیے ایک دوسرے کے نفسیات اور جذبات و احساسات کو سمجھنا مشکل تھا۔ حکمران، عام باشندوں سے الگ اپنی کوٹھیوں اور کلبوں کی دنیا میں رہتے تھے۔ ان کے

پاس ملک کے حالات کو جاننے کا کوئی ذریعہ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں اور پایونیر اور اسٹیٹسمین جیسے اخباروں کے سوا نہ تھا۔ ان دونوں ذرائع سے گزر کر باشندوں کے احساسات کو سمجھنے کے لیے اگر کوئی پیمانہ ان کے پاس تھا تو صرف یہ کہ کونسا مسئلہ ایسا ہے جس پر ملک میں عام ایجی ٹیشن برپا ہوتا ہے، جلسے اور جلوس اور ہنگامے رونما ہوتے ہیں، لاٹھی چارج اور فائرنگ تک کی نوبت آتی ہے۔ اس طرح صرف ایک عام ہیجان ہی سے انہیں اس بات کا ثبوت ملتا تھا کہ فلاں مطالبے کے پیچھے عوام کی بہت بڑی تعداد ہے اور اسی بنیاد پر، نہ کہ مطالبے کے نفسِ مضمون اور اس کی صحت و معقولیت کی بنیاد پر، وہ اسے وزن دیا کرتے تھے۔

پاکستان قائم ہونے کے بعد جب حکومت کا انتظام ہماری اپنی قوم کے افراد کو سونپا گیا۔ تو ہمیں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ ان حکمرانوں کی روش سابق حکمرانوں کی روش سے مختلف ہوگی۔ وہ اپنی قوم کے جذبات و احساسات کو براہِ راست خود سمجھیں گے اور محسوس کریں گے۔ اس کے مطالبات کو ایجی ٹیشن کے پیمانے سے نہیں بلکہ ان کی اپنی عقلی، علمی اور نفسیاتی بنیادوں کے لحاظ سے پرکھیں گے۔ جو بات صحیح ہوگی اسے خود مانیں گے خواہ اس کی پشت پر کوئی ایجی ٹیشن ہو یا نہ ہو۔ اور اپنی قوم کے مزاج کے خلاف کوئی چیز طاقت کے بل پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں گے۔ مگر بڑے درد کے ساتھ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ آج ہمارے اپنے بھائی بھی حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ کر وہی روش اختیار کر رہے ہیں جو کل اجنبی حکمرانوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ وہی عام باشندوں سے الگ تھلگ رہنا، وہی سی آئی ڈی کی رپورٹوں اور "ڈان" اور "سول" جیسے اخباروں پر معلومات کا انحصار، وہی مطالبات کو ان کی ذاتی قدر کے بجائے ایجی ٹیشن کے پیمانوں سے ناپنا، اور وہی قوم کے خلافِ مزاج چیزوں کو اس کے حلق سے زبردستی اتروانے کی کوششیں۔ ان حرکات میں سے کسی میں بھی کل کی بہ نسبت آج کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ فرق اگر ہے تو بس یہ کہ اجنبی حکمرانوں کے لیے یہ روش فطری تھی۔ اور قومی حکمرانوں کے لیے بالکل غیر فطری۔ باہر والے مجبوراً ایسے تھے، مگر گھر والوں نے

سراسر مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ہے۔

اس کی افسوسناک مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں اور اسی کی ایک تازہ مثال وہ طرزِ عمل ہے جو قادیانیوں کے معاملے میں ہمارے حکمرانوں سے ظہور میں آرہا ہے۔ کراچی اور پنجاب میں حکومت نے جو رویہ اس معاملے میں اختیار کیا ہے" اور اب حکمراں گروہ جس نظر سے اس پورے قضیے کو دیکھ رہا ہے، اس سے ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو قادیانیت اور قادیانیوں کے بارے میں نہ تو مسلمانوں کے عام جذبات کا کوئی علم ہے اور نہ یہ اُن گہرے بنیادی اسباب سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں جو ان جذبات کی تہ میں کارفرما ہیں۔ انہوں نے بالکل اجنبی حکمرانوں کی طرح محض سطح پر چند چیزیں دیکھ کر سارے معاملے کے متعلق کچھ قیاسات قائم کیے ہیں اور سراسر غلط اندازوں پر ایسی کارروائیاں کر رہے ہیں جن سے سخت اندیشہ ہے کہ معاملہ سلجھنے کے بجائے اور زیادہ بگڑتا چلا جائے گا۔

اولین چیز، جس سے کسی مسلمان کو ناواقف نہ ہونا چاہیے تھا، یہ ہے کہ قادیانیت ایک ایسے مسئلے میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے متصادم ہوتی ہے جو قرآن، حدیث، اور پوری امت کے تیرہ سو سال کے اجماع سے ثابت ہے اور جس کے معاملے میں مسلمانوں نے اپنی پچھلی تاریخ میں آج تک کسی انحراف کو برداشت نہیں کیا ہے۔ قرنِ اول سے تمام مسلمان آج تک اس بات پر متفق رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، ان پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے، اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے درمیان کسی نئی نبوت کے دعوے کو کبھی نہیں چلنے دیا، اور جہاں کہیں اس فتنے نے سر اٹھایا، سارے مسلمانوں نے بالاتفاق اس کا سر کچل دیا۔ مگر ہندوستان میں مسلمان پچاس برس تک اس کڑوے گھونٹ کو صرف اس

.بموری سے نکلتے رہے کہ یہاں ایک غیر مسلم حکومت ان پر مسلط تھی جس کا آئین کسی نئی نبوت کے دعوے میں مانع نہ تھا۔

اس بات سے بھی کوئی مسلمان ناواقف نہیں ہو سکتا کہ ایک دعوائے نبوت پیش ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں رہتا کہ اس کے بارے میں غیر جانبداری یا تغافل کی روش اختیار کی جا سکے۔ اس کے بعد تو ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا اسے مانیے یا جھوٹا قرار دیجیے۔ جو اس کو مانے وہ لامحالہ تکذیب کرنے والوں کے نزدیک کافر ہوگا، کیونکہ جھوٹے نبی کو نبی ماننا کفر ہے۔ اور جو اس کو نہ مانے وہ بلا ریب ماننے والوں کے نزدیک کافر ہوگا، کیونکہ سچے نبی کو جھوٹا کہنا کفر ہے۔ اس لیے قادیانیت نے نہ صرف یہ کہ ایک ایسا مسئلہ مسلمانوں کے درمیان پیدا کر دیا جسے نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا، بلکہ اس مسئلے نے عملاً ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جس کے ہوتے یہ دونوں گروہ کسی طرح بھی ایک امت میں جمع نہ ہو سکتے تھے۔ مزید برآں، جبکہ قرآن، حدیث اور اجماع امت کی بنا پر عام مسلمانوں کے نزدیک باب نبوت قطعی بند تھا۔ تو یہ بات بالکل ناگزیر تھی کہ ایک گروہ قلیل کے سوا مسلمانوں کا سواد اعظم اس کو جھٹلا دے، اور اس طرح سواد اعظم اس گروہ قلیل کے نزدیک کافر ہو اور وہ گروہ قلیل سواد اعظم کے نزدیک کافر ٹھہرے۔

یہ کڑوا گھونٹ مسلمان ہرگز حلق سے نہ اتارتے اگر اختیارات اُن کے ہاتھ میں ہوتے۔ لیکن اختیارات ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں تھے جس کو مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے، یا ان کی قومی سالمیت سے کوئی دلچسپی کیا معنی، ہمدردی تک نہ تھی۔ اس لیے ایک امت کے اندر دوسری امت بنتی بھی رہی اور پھر اُسی امت میں شامل بھی رہی جس سے کاٹ کاٹ کر وہ افراد کو اپنے ساتھ ملا رہی تھی۔ انگریزوں کے لیے وہ سب لوگ یکساں تھے جن کے نام مسلمانوں کے طریق تسمیہ پر رکھے جاتے ہوں۔ ان کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے لحاظ سے اب یہ نوخیز امت، امت مسلمہ میں شامل رہ سکتی ہے یا نہیں۔ وہ برابر اسی بات پر مصر رہے کہ دونوں کو ایک ہی امت شمار کیا جائے گا، اور مسلمانوں

بھی یہ طاقت نہ تھی کہ ان کے جابرآقا جس عنصر کو زبردستی ان کی امت میں ٹھونس رہے تھے اس کو اپنے سے الگ کرسکیں۔ اس صورتِ حال سے ایک دینی مسئلے کے علاوہ طرح طرح کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسئلے بھی پیدا ہوتے چلے گئے جن کی تلخی چالیس پینتالیس سال میں بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کے لیے ایک مستقل دردِ سر بن گئی۔

قادیانیوں اور عام مسلمانوں کو نئی نبوت کی جس چھری نے ایک دوسرے سے کاٹا تھا، وہ سینکڑوں اور ہزاروں خاندانوں کو اس طرح کاٹتی چلی گئی کہ بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، شوہر بیوی سے کٹ کر الگ ہوگئے اور ان کے درمیان توارث، مناکحت، معاشرتی میل جول، حتیٰ کہ ایک دوسرے کے جنازوں کی شرکت تک کے تعلقات منقطع ہونے لگے۔

پھر چونکہ قادیانیوں کی نئی امت مسلمانوں کے درمیان ان کی عام نفرت، مزاحمت اور مخالفت کے ماحول میں بن رہی تھی، اس لیے انہوں نے اپنے حالات کے قدرتی تقاضوں سے اپنی مضبوط جتھہ بندی شروع کر دی جس کی بنیاد قادیانی اور غیر قادیانی کی تمیز، اور مسلمانوں کے مقابلے میں قادیانیوں کی باہمی معاونت پر قائم تھی۔ انہوں نے ملازمتوں میں ایک دوسرے کی مدد سے گھسنا اور عام مسلمانوں پر اپنے آدمیوں کو ترجیح دینا اور دل جل کر اپنے آدمیوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ انہوں نے جہاں کہیں بھی انہیں کچھ سرکاری اثرات حاصل ہوتے، مسلمانوں کو دبانا اور اپنے گروہ کی طاقت کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ انہوں نے زمینداری میں، تجارت میں، صنعت و حرفت میں، ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف جتھہ بندی کر لی۔ اس طرح ان کے اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کے وہی تمام اسباب پیدا ہوتے چلے گئے جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منافرت کو بڑھا کر آخر کار اتنا تلخ کر دیا کہ تقسیم ملک تک نوبت پہنچ گئی۔

یہ صورتِ حال کسی ایک جگہ یا ایک حصۂ آبادی تک محدود نہ تھی، بلکہ وسیع پیمانے پر سارے ملک میں موجود تھی، ہزارہا خاندان اس سے متاثر تھے، اور لاکھوں آدمیوں کو اس کی تلخیوں میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کے اختیارات آئے اگر وہ عام مسلمانوں سے الگ تھلگ، اور اسلامی عقائد سے بے پروا، اور اپنی قوم کے احساسات سے ناآشنا نہ ہوتے تو وہ اس مسئلے کو ان مسائل کی فہرست میں رکھتے جنہیں اولین فرصت میں حل کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم وہ اس کی تلخیوں اور پیچیدگیوں کو اور زیادہ تو نہ بڑھاتے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بالکل اپنے انگریز پیش رووں کے جانشین بن کر رہے اور انہوں نے نہ صرف سابق حالت کو برقرار رکھا بلکہ ان اسباب میں اور زیادہ اضافہ کرنا شروع کر دیا جو مسلمانوں کو پہلے ہی قادیانیوں کے خلاف کافی غضب ناک کر چکے تھے۔

انہوں نے پاکستان میں "ربوہ" کے نام سے ایک دوسرا قادیان بنوا دیا اور قادیانیوں کو وہاں وہ سہولتیں فراہم کر دیں جو مسلمانوں کی کسی جماعت اور کسی ادارے کو فراہم نہیں کی گئیں۔ آج اس ربوہ سے جھنگ، لائل پور، گوجرانوالہ اور سرگودھا کے ملحقہ علاقے اس قدر تنگ ہیں کہ گویا ایک خنجر ان کے سینے میں پیوست کیا گیا ہے۔ وہاں وہ تمام حالات رفتہ رفتہ پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو کبھی قادیان میں تھے، اور ہم نے اس علاقے کے مسلمانوں میں وہی احساسات پائے ہیں جو فلسطین میں وطنِ یہود کی بنیاد پڑتے وقت ملحقہ عرب آبادی میں پائے جاتے تھے۔

انہوں نے فوج میں اور سول محکموں میں قادیانیوں کو پہلے سے زیادہ ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز کیا اور پھر ان لوگوں نے پوری جتھہ بندی کے ساتھ مزید قادیانیوں کو ملازمتوں میں داخل کرنا اور عام مسلمانوں کو دھکیل دھکیل کر قادیانیوں کی ترقی کے لیے راستہ صاف کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انتخابات میں بے تکلف اپنی پارٹی کے ٹکٹ قادیانیوں کو دیے، جس کے صاف معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی نے جو ملک کی حکمران بھی ہے، قادیانیوں کو نہ صرف مسلمان، بلکہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دار تک تسلیم کر لیا۔

ان سب سے زیادہ سخت غلطی انہوں نے یہ کی کہ سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجیہ کا ذمہ دارانہ

عہدہ سونپ دیا۔ یہ صاحب ملازمتوں میں قادیانیوں کو گھسانے اور اپنی سرکاری پوزیشن کو قادیانیت کی تبلیغ میں استعمال کرنے کے لیے پہلے ہی سخت بدنام تھے۔ اب اس پوزیشن پر آکر ان کی ذات قادیانیت کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ بن گئی۔ اور اس پر مزید ایک فتنے کا اضافہ یوں ہوا کہ جب وزیر خارجۂ پاکستان ہونے کی حیثیت سے ان کو متعدد مسلمان ملکوں کی وکالت و حمایت کے مواقع ملے تو اس سے قادیانیوں نے پورا فائدہ اٹھا کر باہر کے مسلمان ملکوں میں بھی اپنی تبلیغ کا دائرہ وسیع کرنا شروع کر دیا۔ اس چیز کی وجہ سے وہ آگ جو قادیانیت کے خلاف پاکستان میں بھڑک رہی تھی، بیرون پاکستان بھی بھڑک اٹھی اور متعدد مسلمان ملکوں کی طرف سے یہ شکایات آنے لگیں کہ تمہاری حکومت کی یہ غلطی اب ہم پر بھی اس فتنے کو مسلط کر رہی ہے۔ مفتی مصر کا تازہ فتویٰ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد جب ہمارے حکمرانوں کے سامنے ان کی حماقتوں کے مجموعی نتائج ایک عام ہیجان کی شکل میں نمودار ہو گئے تو اب بھی وہ اس ہیجان کو اور اس کے حقیقی اسباب کو سمجھنے سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور اس کے متعلق ایسے غلط اندازے کر رہے ہیں جو کسی ملک کے ذمہ دار حکمرانوں کے نہیں بلکہ نادان بچوں ہی کے شایان شان ہو سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی سطحی اُبال ہے جو عارضی طور پر محض احرار کے اُکسانے سے رونما ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بس چند مقامات پر دفعہ ۱۴۴ لگا کر اور کچھ پکڑ دھکڑ اور لاٹھی چارج کر کے اور کچھ خطیبوں کو ڈرا دھمکا کر یہ جوش ٹھنڈا کیا جا سکے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کچھ ہوشیار لوگ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دے کر اُس اتفاق رائے کو ختم کر سکیں گے جو قادیانیوں کے معاملے میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں صاف بتا رہی ہیں کہ یہ حضرات اس مسئلے کی تاریخ سے، اس کے دینی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں سے اور عام مسلمانوں کے تلخ احساسات کی گہرائیوں سے بالکل ناواقف ہیں، اور اجنبی حکمرانوں

کی طرح ان کی معلومات کا انحصار سراسر سی آئی ڈی کی رپورٹوں اور ڈان اور سول جیسے اخبارات کے کالموں پر ہے۔ ایسے لوگ اگر اسی سرمایۂ علم و فہم کے ساتھ اس ملک کا نظم و نسق چلاتے رہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کس صدمۂ عظیم سے ہم کو دو چار ہونا پڑے گا۔

بلاشبہ کوئی معقول آدمی بھی یہ پسند نہ کریگا۔ کہ اس مسئلے کو، یا کسی دوسرے اجتماعی مسئلے کو فساد انگیز طریقوں سے حل کیا جائے۔ ایسے طریقے اگر اختیار کیے جائیں تو یقیناً ہر حکومت کا فرض ہے کہ ان کو روکے، اور ہر امن پسند شہری کا فرض ہے کہ ان کو روکنے میں حکومت کی مدد کرے۔ مگر ایک جمہوری حکومت کے فرائض صرف پلیس کی ڈیوٹی تک محدود نہ ہونے چاہئیں۔ اس کا یہ فرض بھی تو ہے کہ اجتماعی زندگی میں اگر کوئی خرابی پائی جاتی ہو تو اسے اندر اس کے اسباب کو سمجھے اور موجب فساد بننے سے پہلے اس کا علاج کرے۔ آخر یہ کس عقلمند حکومت کا کام ہو سکتا ہے کہ جو اسباب معاشرے میں نصف صدی سے ایک سخت پیچیدگی پیدا کر رہے ہیں، اور جن سے معاشرے کی بنیادوں میں ہر وقت ایک غیر محسوس اضطراب برپا رہتا ہے، اُن کو جوں کا توں قائم رہنے دیا جائے۔ اور صرف وقتاً فوقتاً ان کے پیدا کردہ اُبال کو اوپر سے لاٹھیاں برسا کر اور زبان بندیاں کرکے روکا جاتا رہے؟ اس تدبیر سے ممکن ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے فساد رک جائے مگر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے حقیقی اسباب اندر ہی اندر گھٹ کر ایک آتش فشاں پیدا کر دینگے جسے پھٹنے سے روک دینا کسی انسانی طاقت کے بس میں نہ ہوگا۔ ایک امت کے اندر دوسری امت کا وجود بہر حال ایک غیر فطری چیز ہے۔ جس طرح کسی انسان کے معدے میں مکھی کو زبردستی نہیں روکا جا سکتا، اسی طرح کوئی امت بھی اپنے اندر دوسری امت کے بننے اور بڑھنے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ غیر فطری حالت بہر حال ختم کرنی ہی پڑے گی۔ اور جتنی جلدی یہ ختم ہو اتنا ہی پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا۔

(باقی صفحہ ۱۵۴ پر)